مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام (۱۱)

مزارعت اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ

از قلم: مولانا محمد طاسین

امام طحاوی کی ایک دوسری روائت میں حضرت خبابؓ بن ارتؓ اور حضرت صہیبؓ کی جگہ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت اسامہ بن زید کے نام ہیں، بہرحال مذکورہ چاروں کتابوں میں موسیٰ بن طلحہؓ کا یہ اثر جن الفاظ سے بیان ہوا ہے ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص اپنی جاگیر کی زمین مزارعت پر دیتے تھے اور اوپر اس کے واحد راوی حضرت موسیٰ بن طلحہؓ ہیں جو مدینہ میں ان کے پڑوسی تھے۔

یہ اثر چونکہ بہت سی صحیح اور مرفوع احادیث سے مطابقت نہیں رکھتا لہٰذا اس پر بحث و گفتگو کی گنجائش اور تحقیق و تنقیح کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اس کی سند کا تعلق ہے اس میں دو راوی ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ ناقابلِ اعتبار قرار پاتا ہے۔ وہ دو راوی ایک شریک اور دوسرے ابراہیم بن المہاجر ہیں: اسماء الرجال کی کتابوں میں شریک بن عبداللہ النخعی کوفی اور ابراہیم بن مہاجر البجلی الکوفی کے متعلق علماء جرح و تعدیل کے جو اقوال نقل اور جمع کئے ہیں ان کو پڑھنے کے بعد کوئی اعتدال پسند اور منصف مزاج آدمی کسی ایسی روائت کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرسکتا جس کے راویوں میں شریک بن عبداللہ اور ابراہیم بن مہاجر موجود ہوں جبکہ کسی دوسری سند سے وہ بات مروی بھی نہ ہو، اول الذکر کے متعلق علماء الجرح والتعدیل کے اقوال میزان العدل جلد اول میں صفحہ ۴۴۴ سے ۴۴۶ تک اور تہذیب التہذیب جلد چہارم میں صفحہ ۳۳۳ سے ۳۳۷ تک تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور ثانی الذکر کے متعلق علماء کے اقوال میزان الاعتدال جلد اول میں ص۳۲ پر اور تہذیب التہذیب جلد اول میں ص۱۶۷ اور ص۱۶۸ پر مفصلاً درج ہیں، شریک بن عبداللہ کے متعلق علماء کے مختلف اقوال کا خلاصہ یہ کہ بعض نے اس کو ثقہ اور بعض نے غیر ثقہ کہا ہے۔ جنہوں نے ثقہ کہا ہے ساتھ ساتھ ایسے الفاظ بھی کہے ہیں: سیئی الحفظ، کثیر الوہم، کثیر الخطاء، کان لغلط ولا یتقن، مضطرب الحدیث، لیس

بالقوی، لیس بالمتین، کان یدلس، لیس بہ بأس، اذا خالف غیرہ احب الینا منہ، لا یبالی کیف حدث، مائل عن القصد، وغیرہ وغیرہ اور ابراہیم بن مہاجر کے متعلق علماء الجرح والتعدیل کے جو مختلف اقوال ہیں وہ اس طرح ہیں: لم یکن بالقوی، لیس بالقوی فی الحدیث، ضعیف، لا بأس بہ، جائز الحدیث، صالح الحدیث، حدیثہ یکتب فی الضعفاء، ثقۃ، کثیر الخطاء، یعتبر بہ، فی حدیثہ لین، یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وغیرہ وغیرہ، جو حضرات علماء ان الفاظ کے اصطلاحی معانی ومفاہیم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس راوی کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوں اس کی روائت کی اسنادی حیثیت کیا ہوتی ہے۔

اب اس اثر کے متن کی طرف آئیے، اس اثر کا جو متن مذکورہ چار کتابوں کی روایات میں اوپر بیان ہوا ہے مجمل ہے نہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان حضرات صحابہ کرام کو جاگیر کے طور پر جو زمینیں دی تھیں وہ کہاں کہاں واقع تھیں، اور نہ یہ توضیح ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام نے اپنی زمینیں جن مزارعین کو مزارعت پر دے رکھی تھیں وہ مسلم تھے یا غیر مسلم۔ لیکن بعض دوسری کتابوں میں اس زیر بحث اثر کا جو متن ہے اس میں پہلی بات کی کچھ تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں یہ اثر ان الفاظ سے مذکور ہے:

عن موسی بن طلحۃ قال اقطع عثمان بن عفان لعبد اللہ بن مسعود فی النهرین ولعمار بن یاسر استینیا واقطع خبابا صنعاء، واقطع سعد بن مالك قریۃ هرمزان، قال فکل جاری، قال فکان عبد اللہ بن مسعود وسعد یعطیان ارضهما بالثلث والربع۔

(صہ ۶۲، کتاب الخراج)

موسیٰ بن طلحہؒ نے روائت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عثمان نے (عہد خلافت میں) جاگیر کے طور پر زمین دی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو نہرین میں اور حضرت عمارؓ بن یاسر کو استینیا اور حضرت خبابؓ کو صنعاء میں اور حضرت سعدؓ بن مالک کو قریۂ ہرمزان میں، پس ان میں سے ہر ایک میرا پڑوسی ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت سعد بن مالک اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی کے بدلے دیتے تھے۔

اس روائت سے یہ عیاں ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بعض اکابر صحابۂ کرامؓ کو جو زمینیں دیں وہ کچھ یمن اور کچھ عراق کی ایسی زمینیں تھیں جو لاوارث وغیرہ ہو جانے کی وجہ سے بیت المال کی تحویل میں آ جاتی ہیں اور سربراہ حکومت کو ان کے اندر ہر اس تصرف کا اختیار ہوتا ہے

الصافیۃ فاعطوھا بالمزارعۃ بالنصف وما لم تزرع فاعطوھا بالثلث فان لم تزرع فاعطوھا حتی تبلغ العشر فان لم یزرعھا احد فمنحھا فان لم یزرع فانفق علیھا من بیت مال المسلمین ولا تبیرن قبلک ارضا (ص ۷۱۔ کتاب الخراج لیحیی بن آدم)

بدلے مزارعت پر دے دو، اور جو نصف پر کاشت نہ کی جائے تہائی پر دے دو، پس اگر تہائی پر بھی نہ ہو تو اس سے بھی کم پر دے دو۔ حتی کہ دسویں حصہ پر، اگر اس پر بھی کوئی کاشت کے لئے تیار نہ ہو تو مفت دے دو، اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو بیت المال کی رقم سے خرچ کر کے سے کاشت کراؤ۔ بہرحال اپنی طرف سے کوئی زمین بغیر کاشت کے نہ رہنے دو۔

ان دو روایتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی ذات کے لئے مزارعت کا معاملہ نہیں کیا یعنی اپنی ذاتی زمین مزارعت پر کسی مسلمان مزارع کو نہیں دی جیسا کہ بظاہر بخاری کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ بیت المال کی زمین کے متعلق اپنے بعض عمال کو اپنے عہد خلافت میں حکمنامہ بھیجا کہ وہ اس زمین کو بیت المال کے فائدہ کی خاطر کاشت کرائیں پہلے پیداوار کے کسی حصہ پر خواہ وہ دسواں حصہ ہی کیوں نہ ہو، اگر اس پر بھی کوئی تیار نہ ہو تو مفت کاشت کے لئے دے دی جائے تاکہ کم از کم خراج تو وصول ہو سکے، اور اگر مفت بھی کوئی کاشت کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اپنے پاس سے مال خرچ کر کے یعنی بیت المال کی رقم میں سے خرچ کر کے اسے کاشت کرایا جائے تاکہ ایک طرف پیداوار میں فراوانی ہو اور لوگوں کو غذائی ضروریات باسانی میسر آئیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے اجتماعی بیت المال میں اضافہ ہو اور انہیں فائدہ پہنچے۔

ویسے دیکھا جائے تو مذکورہ دونوں روائتیں سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل اعتماد ہیں، پہلی روائت کی سند میں عبدالوہاب الثقفی اور خالد الحذاء دو ایسے راوی ہیں جن کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں بعض ائمہ جرح و تعدیل کے ایسے اقوال موجود ہیں جن سے ان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری روائت کی سند میں محمد بن طلحہ الیامی کے متعلق بعض ائمہ کے زیادہ سخت الفاظ مذکور ہیں، مثلاً ضعیف، لیس بقوی، کان یخطی وغیرہ تفصیل دیکھنی ہو تو تہذیب التہذیب جلد نو صفحہ (۲۲۸۔۲۲۹) پر دیکھئے۔ اور اگر اس سے بھی صرف نظر کر لیا جائے تو بھی ان روایات سے جس مزارعت کا جواز نکلتا ہے وہ وہ مزارعت ہے جو اجتماعی مفاد اور عامۃ الناس کے فائدہ کی خاطر سربراہ حکومت اسلامی یا اس کا کوئی عامل اور گورنر کے ذریعے بیت المال کی اراضی جو حقیقت میں اجتماعی ملکیت ہوتی ہیں کے متعلق عمل میں لائی جاتی ہے، اس مزارعت کا جواز نہیں ثابت ہوتا جو

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روائت کرنے والے مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب بھی اسی کے قائل تھے، لہٰذا ان کی مرفوع حدیث کے بالمقابل زیر بحث اثر کی کوئی حیثیت نہیں جو بلحاظ سند ضعیف بھی ہے۔

اسی طرح چونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ اختلافی مسائل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی رائے کو دوسروں کے مقابلہ میں فیصلہ کن اہمیت دیتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں ______ لہٰذا اگر حضرت ابن مسعود مزارعت کے جواز کے قائل ہوتے تو امام ابوحنیفہ اس معاملے کو کبھی فاسد و باطل معاملہ نہ کہتے۔ غرضیکہ محض اس اثر کی بنا پر جو سند کے لحاظ سے ضعیف و ساقط بھی ہے یہ نتیجہ نکالنا کہ عبداللہ بن مسعود مزارعت کو جائز سمجھتے تھے درست معلوم نہیں ہوتا جبکہ متعدد صحابۂ کرام سے مروی ایسی احادیث نبویہ بھی موجود ہوں جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں مذکورہ بالا تین صحابۂ کرام کے بعد جن تابعینؒ کے نام لکھے ہیں ان میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام ہے مطلب یہ کہ وہ بھی مزارعت پر عمل پیرا تھے۔ لیکن وہ روائت کہیں ذکر نہیں فرمائی جس سے ان کو اس کا علم ہوا۔ البتہ شارحین بخاری نے اس روائت کی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ روائت مصنف ابن شیبۃ اور کتاب الخراج لیحیٰی بن آدم میں ان الفاظ سے ہے۔

حدثنا ابوبکر قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی عن خالد الحذاء ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی عدی ان یزارع بالثلث والربع	ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا یہ کہ ان سے خالد الحذاء نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی کو لکھا کہ وہ زمین مزارعت پر دیں تہائی اور چوتھائی کے بدلے۔

(ص ۳۴۱۔ ج ۶۔ ابن ابی شیبہ)

حدثنا یحییٰ قال حدثنا محمد بن طلحۃ بن مصرف الیامی عن ابی عبیدۃ بن الحکم عن عمر بن عبدالعزیز انہ کتب انظر ماقبلکم من ارض	یحییٰ بن آدم نے کہا ہم سے محمد بن طلحہ بن مصرف الیامی نے بیان کیا ابوعبیدہ بن الحکم سے روائت کرتے ہوئے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا دیکھو تمہاری طرف جو صافیہ زمین ہو اسے نصف کے

الصافية فاعطوها بالمزارعة بالنصف وما لم تزرع فاعطوها بالثلث فان لم تزرع فاعطوها حتى تبلغ العشر فان لم يزرعها احد فمنحها فان لم يزرع فانفق عليها من بيت مال المسلمين ولا تبيرن قبلك ارض (ص ۷۰۔ کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم)	بدلے مزارعت پر دے دو، اور جو نصف پہ کاشت نہ کی جائے تہائی پر دے دو، پس اگر تہائی پر بھی نہ ہو تو اس سے بھی کم پر دے دو۔ حتیٰ کہ دسویں حصّہ پر اگر اس پر بھی کوئی کاشت کے لئے تیار نہ ہو تو مفت دے دو، اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو بیت المال کی رقم سے خرچ کرکے اسے کاشت کراؤ۔ بہرحال اپنی طرف سے کوئی زمین بغیر کاشت کے نہ رہنے دو۔

ان دو روایتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی ذات کے لئے مزارعت کا معاملہ نہیں کیا یعنی اپنی ذاتی زمین مزارعت پر کسی مسلمان مزارع کو نہیں دی جیسا کہ بظاہر بخاری کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ بیت المال کی زمین کے متعلق اپنے بعض عمّال کو اپنے عہد خلافت میں حکمنامہ بھیجا کہ وہ اس زمین کو بیت المال کے فائدہ کی خاطر کاشت کرائیں پہلے پیداوار کے کسی حصّہ پر خواہ وہ دسواں حصّہ ہی کیوں نہ ہو، اگر اس پر بھی کوئی تیار نہ ہو تو مفت کاشت کے لئے دے دی جائے تاکہ کم از کم خراج تو وصول ہو سکے، اور اگر مفت بھی کوئی کاشت کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اپنے پاس سے مال خرچ کرکے یعنی بیت المال کی رقم میں سے خرچ کرکے اسے کاشت کرایا جائے تاکہ ایک طرف پیداوار میں فراوانی ہو اور لوگوں کو غذائی ضروریات بآسانی میسر آئیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے اجتماعی بیت المال میں اضافہ ہو اور انہیں فائدہ پہنچے۔

ویسے دیکھا جائے تو مذکورہ دونوں روائتیں سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل اعتماد ہیں، پہلی روائت کی سند میں عبدالوہاب الثقفی اور خالد الحذار دو ایسے راوی ہیں جن کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں بعض ائمہ جرح وتعدیل کے ایسے اقوال موجود ہیں جن سے ان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری روائت کی سند میں محمد بن طلحہ الیامی کے متعلق بعض ائمہ کے زیادہ سخت الفاظ مذکور ہیں، مثلاً ضعیف، لیس بقوی، کان یخطئ وغیرہ تفصیل دیکھنی ہو تو تہذیب التہذیب جلد نو صفحہ (۲۳۸-۲۳۹) پر دیکھئے۔ اور اگر اس سے بھی صرف نظر کرا لیا جائے تو بھی ان روایات سے جس مزارعت کا جواز نکلتا ہے وہ وہ مزارعت ہے جو اجتماعی مفاد اور عامۃ النّاس کے فائدہ کی خاطر سربراہ حکومت اسلامی یا اس کا کوئی عامل اور گورنر کے ذریعے بیت المال کی اراضی جو حقیقت میں اجتماعی ملکیت ہوتی ہیں کے متعلق عمل میں لائی جاتی ہے، اس مزارعت کا جواز نہیں ثابت ہوتا جو

شخصی فائدے کی خاطر ایک مسلمان مالک زمین اور مسلمان کاشت کار کے مابین طے پاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مزارعت کی یہ دو قسمیں اپنے مقصد کے لحاظ سے الگ الگ اور مختلف قسمیں ہیں لہٰذا ایک کے جواز سے دوسری کا جواز اور ایک کے عدم جواز سے دوسری کا عدم جواز لازم نہیں آتا، مطلب یہ کہ اس روایت سے ہماری زیر بحث مزارعت کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا جس کا جواز و عدم جواز معلوم کرنا اس مضمون میں اصل مقصود ہے اور جو مسلمانوں کے درمیان عام طور پر رائج ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد امام بخاری نے حضرت قاسم بن محمد کا نام ذکر کیا ہے کہ وہ بھی مزارعت کا معاملہ کرتے تھے لیکن وہ اثر کہیں بیان نہیں فرمایا جس سے ان کو اس کا علم ہوا۔ البتہ شارحین بخاری علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے بتلایا ہے کہ وہ اثر مصنف عبدالرزاق میں ہے اور اس کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں، چونکہ اب کتاب مصنف عبدالرزاق چھپ چکی ہے۔ لہٰذا میں براہ راست اس سے نقل کرتا ہوں جو اس طرح ہے:-

اخبرنا عبدالرزاق قال: سمعت هشاما يحدث قال ارسلني محمد بن سيرين إلى القاسم بن محمد اسأله عن رجل قال لآخر اعمل في حائطي هذا ولك الثلث او الربع، فقال لا بأس به

(ص ۱۰۰ - ج ۸)

ہمیں بتلاتے ہوئے عبدالرزاق نے کہا میں نے ہشام سے سنا یہ کہ مجھے محمد بن سیرین نے قاسم بن محمد کے پاس بھیجا کہ میں ان سے یہ پوچھوں کہ ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ تم میرے باغ میں کام کرو اور تہائی یا چوتھائی پیداوار تیرے لئے ہوگی۔ اس معاملے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کچھ حرج نہیں۔

حائط کے معنی ایسے باغ کے ہیں جس کے چوگرد دیوار ہو یعنی جسے چار دیواری نے گھیر رکھا ہو۔ لغت حدیث وغیرہ کی کتابوں میں حائط کے یہی معنے لکھے ہیں، لہٰذا اس اثر کا تعلق باغ کے معاملہ سے ہے جسے مساقاۃ کہا جاتا ہے کھیت کے معاملہ سے نہیں جسے مزارعت کہتے ہیں، مطلب یہ کہ حضرت قاسم بن محمد سے جو سوال کیا گیا وہ مساقاۃ کے بارے میں تھا مزارعت کے بارے میں نہ تھا اور انہوں نے لا بأس به سے جو جواب دیا وہ بھی مساقات کے بارے میں تھا۔ مزارعت کے بارے میں نہیں تھا، لہٰذا اس اثر سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قاسم بن محمد نے کسی سے مزارعت کا معاملہ کیا، اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت میں کچھ حرج نہیں۔

چونکہ مزارعت اور مساقاۃ جزوی مماثلت کے باوجود حقیقت میں دو مختلف معاملے ہیں، مزارعت میں کھیت کے اندر جو غلہ وغیرہ اگتا ہے اور پیدا ہوتا ہے وہ تمام تر کاشت کار کی

محنت ومشقت سے وجود میں آتا ہے۔ جبکہ مساقاۃ میں پہلے سے باغ کے اندر درخت موجود ہوتے ہیں اور باغبان کی محنت سے جو پھل میوے اس میں پیدا ہوتے ہیں وہ محض اس کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ان درختوں کا بھی ان کے پیدا کرنے میں دخل ہوتا ہے جو پہلے سے مالک کی ملکیت میں ہوتے ہیں اور جن کا وجود کسی دوسرے باغبان کی محنت ومشقت کا نتیجہ ہوتا ہے اس نئے باغبان کی محنت ومشقت کا نتیجہ نہیں ہوتا، لہٰذا مساقاۃ کے جواز سے مزارعۃ کا جواز لازم نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ مساقاۃ کو جائز اور مزارعت کو ناجائز فرماتے ہیں۔

پھر یہ بات کہ قاسم بن محمد کے نزدیک مساقات تو جائز تھی لیکن مزارعت جائز نہ تھی، اس کا اظہار سنن النسائی کی ایک روائت سے ہوتا ہے جو اس طرح ہے:

عن عثمان بن مرۃ قال سألت	عثمان بن مرہ نے روائت کرتے ہوئے
القاسم عن کراء الارض فقال:	کہا کہ میں نے قاسم بن محمد سے کراء الارض
قال رافع بن خدیج ان رسول اللّٰہ	کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں
صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نھی عن	کہا کہ رافع بن خدیج نے بیان کیا کہ
کراء الارض	رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے کراء الارض
(ص ۴۲ - ج ۲)	سے منع فرمایا ہے۔

چونکہ کراء الارض اور مزارعت ایک چیز ہیں لہٰذا اس روائت سے ثابت ہوتا ہے کہ قاسم بن محمد مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے۔ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت رافع بن خدیج سے مطلق کراء الارض اور مزارعت کی ممانعت سے متعلق مروی تھی گویا وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح اور قابل استدلال حدیث تھی۔

قاسم بن محمد کے بعد امام بخاری نے عروۃ بن الزبیر کا نام لکھا ہے۔ گویا وہ بھی پیداوار کے ایک حصہ پر مزارعت کا معاملہ کرتے تھے لیکن اس روائت کو ذکر نہیں کیا جس سے ان کو اس کا علم ہوا۔ البتہ حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ " واما اثر عروۃ وھو ابن الزبیر فوصلہ ابن ابی شیبۃ " لیکن صرف ابن ابی شیبۃ کا حوالہ دیا ہے اس کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ میرے پاس چونکہ ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق دونوں کی مطبوعہ کتابیں موجود ہیں لہٰذا ان سے اس اثر کو نقل کرتا ہوں:

حدثنا ابوبکر قال حدثنا	ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا کہ ہم سے ابواسامہ
ابواسامۃ عن ھشام بن عروۃ	نے بیان کیا کہ ہشام بن عروہ نے ان سے

قال کان ابی لایری بکری الارض بأسا:	کہا کہ میرے باپ کراء الارض میں کچھ حرج نہ دیکھتے تھے۔
(ص ۳۴۲ - ج ۶ - ابن ابی شیبۃ)	
اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ لم یکن یری بکراء الارض بأسا:	عبدالرزاق نے کہا کہ ہم سے بیان کیا معمر نے' انہوں نے ہشام بن عروہ سے روائت کیا' انہوں نے اپنے باپ سے یہ کہ وہ کراء الارض میں کچھ حرج نہ دیکھتے اور کچھ مضائقہ نہ سمجھتے تھے
(ص ۹۱ - ج ۸ مصنف عبدالرزاق)	

اسماء الرّجال کی کتابوں میں ہشام بن عروہ کو یوں تو ثقہ اور قابل اعتماد راوی لکھا ہے لیکن امام مالک کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جب تک مدینہ میں رہے ان کی روائت کا معاملہ ٹھیک تھا البتہ عراق جانے کے بعد احتیاط قائم نہ رہی۔ وہاں انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے ایسی احادیث بیان کیں جو مدینہ والوں کے نزدیک قابلِ قبول نہ تھیں' ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو "باب المزارعۃ بالنصف والثلث والربع" میں بیان کیا ہے لیکن عبدالرزاق نے اس باب میں نہیں بلکہ "باب کراء الارض بالذھب والفضہ" میں نقل کیا ہے۔

بہر حال اگر اس اثر کو صحیح اور ہشام کی اس بات کو درست بھی مان لیا جائے کہ ان کے والد حضرت عروہ جو ایک تابعی ہیں مزارعت یا کراء الارض میں کچھ حرج نہ دیکھتے تھے تو ان مرفوع احادیث اور آثارِ صحابہؓ کے مقابلہ میں جن سے مزارعت اور کراء الارض کا ممنوع و نا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے اس اثر کی کوئی خاص حیثیت نہیں۔ ایک تابعی کی رائے ایک مسئلہ میں صحیح و صواب بھی ہو سکتی ہے اور غلط و خطا بھی' کسی مسئلہ کی شرعی حیثیت کے تعیّن کا اصل دار و مدار قرآن و حدیث پر ہے مجرّد کسی صحابی یا تابعی کے قول و عمل پر نہیں۔

حضرت عُروہ کے بعد امام بخاری نے آلِ ابوبکرؓ' آلِ عمرؓ اور آلِ علیؓ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھی مزارعت پر عمل کرتے تھے۔ امام بخاری نے جس اثر سے اس کا علم ہوا ابنؒ حجر اور عینیؒ نے اس کا حوالہ مصنّف ابن ابی شیبہ اور مصنّف عبدالرزاق سے دیا ہے اور اس کے کچھ الفاظ بھی بیان کئے ہیں۔ میں پیچھے قیس بن مسلم کے اثر کی بحث میں مذکورہ دونوں کتابوں سے اس اثر کے پورے الفاظ نقل کر چکا ہوں اور یہ بھی بتلا چکا ہوں کہ یہ اثر بھی اپنے اصل کے

لحاظ سے وہی اثر ہے جو قیس بن مسلم کے حوالے سے بیان کیا گیا، دونوں کا تعلق حضرت ابوجعفر الباقر سے ہے اور دونوں کا مضمون تقریباً ایک ہے کیونکہ آلِ ابی بکرؓ، آلِ عمرؓ، اور آلِ علیؓ مہاجرین مدینہ کے ہی گھرانوں میں سے بعض تھے اور چونکہ اس اثر کے راوی حضرت عمرو بن عثمان بھی کوفی ہیں مدنی نہیں لہٰذا علامہ قابسیؒ کا جو اعتراض قیس بن مسلم کے اثر پر ہے وہی اس اثر پر بھی وارد ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے قیس بن مسلم کے اثر پر مختلف پہلوؤں سے جو بحث کی گئی ہے وہی بحث اس سے بھی متعلق ہے، بہتر ہوگا کہ اس پر پھر ایک نظر ڈال لی جائے۔

اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ کسی معاملے کے متعلق یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اصل چیز کتاب و سنّت اور قرآن و حدیث اور جمہور صحابۂ کرام کا عمل ہے نہ کہ ایک صدی بعد کے ان لوگوں کا عمل جو صحابۂ کرام کی اولاد میں سے تھے۔ جبکہ نئے حالات کے تحت اس وقت ہر پہلو سے عملی زندگی کا ڈھانچہ بہت کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔ تعجّب ہے کہ حضرت ابوجعفر الباقر سے جب عمرو بن عثمان نے مزارعت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں قرآن و حدیث سے کوئی دلیل پیش کرنے کی بجائے یہ فرمایا کہ میں اگر آلِ ابوبکرؓ، آلِ عمرؓ اور آلِ علیؓ کو دیکھتا ہوں تو ان کو مزارعت پر عمل پیرا پاتا ہوں۔ گویا ان کا اس پر عمل پیرا ہونا اس کے جواز کی دلیل ہے، اور پھر پتہ نہیں آلِ عثمان کو اس روائت میں کس مصلحت کی بنا پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ کیا ان کا مزارعت پر عمل نہ تھا یا سیاسی وجوہ کی بنا پر ان کے عمل کی کوئی اہمیت نہ تھی، بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ اگر مدینہ کے صحابۂ کرام کا مزارعت پر عمل ہوتا تو امام مالک مدنی کبھی بھی مزارعت کو فاسد معاملہ نہ کہتے۔ کیونکہ وہ تعامل اہل مدینہ کو شرعی احکام کے تعیّن میں تائیدی دلیل کے طور پر استعمال کرتے اور اس حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتے تھے جو تعامل مدینہ سے مطابقت رکھتی ہو۔

اور پھر اگر آلِ ابی بکرؓ اور آلِ عمرؓ سے مراد ان کے بیٹے پوتے پڑپوتے سب ہیں تو یہ بات درست نہیں کہ وہ سب مزارعت کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل کرتے تھے کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق صحیح احادیث میں ہے کہ وہ پہلے مخابرہ کیا کرتے تھے لیکن رافع بن خدیج سے نہی کی حدیثِ نبوی سننے کے بعد انہوں نے اسے ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا، اسی طرح سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق کتب حدیث میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مزارعت کو ناجائز اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے جائز سمجھتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

پوتے قاسم بن محمد کے متعلق بھی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مزارعت کے عدم جواز کے اور دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے قائل تھے۔

اس کے بعد امام بخاری نے ایک اور تابعی محمد بن سیرین کا نام لکھا ہے یعنی وہ بھی مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، جس روائت سے امام بخاری کو یہ معلوم ہوا اس کا انہوں نے کوئی ذکر نہیں کیا لیکن شارحین بخاری نے بتلایا ہے کہ وہ روائت مصنف عبدالرزاق اور سنن سعید بن منصور میں موجود ہے اور انہوں نے اس کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں، مصنف عبدالرزاق میں اس روائت کے جو الفاظ ہیں وہ اس طرح ہیں:

اخبرنا عبد الرزاق قال سمعت هشاما يحدث قال ارسلنی محمد بن سیرین الی القاسم بن محمد اسأله عن رجل قال لآخر اعمل فی حائطی هذا ولك الثلث او الربع، فقال لا بأس به، قال فرجعت الی ابن سیرین فاخبرته فقال هذا احسن ما یصنع فی الارض قال هشام وکان الحسن یکرهه۔ (ص ۱۰۰ - ج ۸ - مصنف عبدالرزاق)	عبدالرزاق نے کہا میں نے ہشام کو یہ کہتے سنا کہ مجھے محمد بن سیرین نے قاسم بن محمد کے پاس بھیجا کہ میں ان سے پوچھوں کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ تم میرے اس باغ میں کام کرو۔ تمہارے لئے تہائی یا چوتھائی پھل ہوگا، انہوں نے جواب دیا اس معاملے میں کچھ حرج نہیں، پھر میں واپس ابن سیرین کے پاس لوٹا اور ان کو قاسم بن محمد کا جواب سنایا تو اس پر انہوں نے کہا زمین میں معاملے کی یہ اچھی شکل ہے۔ پھر ہشام نے یہ بھی کہا کہ حسن بصری اس کو ناجائز گردانتے تھے۔

اس اثر پر پہلے کچھ بحث ہو چکی کہ اس میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ کھیت سے متعلق مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ باغ سے متعلق مساقاۃ کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اس میں قاسم بن محمد کا جواب سن کر محمد بن سیرین نے جو فرمایا وہ بھی بظاہر مزارعت کے متعلق نہیں مساقات ہی کے متعلق ہو سکتا ہے۔ گویا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن سیرین مساقاۃ کو ایک جائز معاملہ سمجھتے تھے۔

اور سنن سعید بن منصور میں محمد بن سیرین کے متعلق جو اثر ہے اس کے الفاظ فتح الباری کے مطابق یہ ہیں۔

انه کان لا یری بأسا ان یجعل	محمد بن سیرین اس میں کچھ حرج نہ دیکھتے

الرجل للرجل طائفة من زرعه او حرثه على ان يكفيه مؤونتها و القيام عليها۔ (ص ۸۔ ج ۵۔ فتح الباری)	تھے کہ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی کھیتی کا کچھ حصّہ طے کرے اس معاملہ پر کہ دوسرا کھیتی کے کاموں میں اس کا بوجھ ہلکا کرے گا اور اس کی حفاظت و دیکھ بھال میں اس کا ہاتھ بٹائے گا۔

غور سے دیکھا جائے تو اس روائت میں بھی جس معاملے کا ذکر ہے وہ خالص مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ شرکت فی المزارعۃ کا معاملہ ہے جس کی صورت کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص خود اپنی زمین کو بوتا ہے جب کھیتی اگ جاتی ہے تو وہ دوسرے سے کہتا ہے کہ بقیہ کاموں اور کھیتی کی حفاظت و نگہداشت کا کچھ بوجھ آپ اٹھالیں تو اس کے بدلے میں آپ کو کھیتی یا پیداوار کا ایک حصّہ دوں گا، اور اس کی مثال وہ معاملہ ہے جو مہاجرین کے مدینہ آنے پر انصارِ مدینہ اور ان کے درمیان طے پایا، انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضورؐ! آپؐ ہمارے باغات ہمارے اور ہمارے مہاجرین بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے، آپؐ نے فرمایا، نہیں، اس لئے کہ مہاجرین کو باغبانی کے کام کا علم نہیں، اس پر انصار نے مہاجرین سے عرض کیا " تکفونا المؤونۃ ونشرککم فی الثمرۃ فقالوا سمعنا و اطعنا: آپ لوگ باغبانی کے کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹاؤ ہم آپ کو پھلوں میں شریک کریں گے تو انہوں نے کہا بہت اچھا منظور ہے۔ چنانچہ انصار اور مہاجرین کے مابین یہ جو معاملہ طے پایا نہ مزارعت کا معاملہ تھا اور نہ مساقات کا معاملہ، بلکہ باغبانی کے کام میں شرکت کا معاملہ تھا، یعنی دونوں فریق مل جل کر کام کریں اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں گے اور پیداوار میں حصّہ دار اور شریک ہوں گے، چونکہ اس معاملے میں ہر فریق کو اس کی محنت کا پھل ملتا ہے، لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

پھر جس طرح اس حدیث میں " تکفونا المؤونۃ ونشرککم فی الثمرۃ " کا مطلب ہے آپ ہمارے کام میں ہمارا کچھ بوجھ اٹھائیں اور شریک کار ہو کر ہمارا ہاتھ بٹائیں، اسی طرح محمد بن سیرین کے زیر بحث اثر میں بھی " ان یکفیہ مؤونتھا " کا مطلب ہے کھیتی کے کاموں میں اس کے ساتھ شریک ہونا اور اس کا بوجھ ہلکا کرنا، لہٰذا اس اثر میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ کسی طرح بھی مزارعت کا معاملہ نہیں، پھر جب وہ مزارعت کا معاملہ نہیں تو اس اثر سے مزارعت کا جواز کیسے ثابت کیا جا سکتا اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت محمد بن سیرین جوازِ

مزارعت کے قائل تھے۔

علاوہ ازیں ایک عظیم محدث علامہ بدرالدین العینی نے محمد بن سیرین کو ان حضرات تابعین میں شمار کیا ہے جو پیداوار زمین کے ایک حصہ پر مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے، عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

ان کراء الارض بجزء منها ای بجزء مما یخرج منها منھی عنه وھو مذھب عطاء ومجاھد ومسروق والشعبی وطاؤس والحسن وابن سیرین والقاسم بن محمد، وبه قال ابوحنیفه ومالك وزفر۔	زمین کو اس کی پیداوار کے ایک جزء و حصہ کے بدلے کرائے پر دینا ممنوع معاملہ ہے یہی مذہب عطاء، مجاہد، مسروق، شعبی، طاؤس، حسن بصری، محمد بن سیرین اور قاسم بن محمد کا ہے اور اسی کے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام زفر قائل ہیں۔

(ص ۷۲۰ ـ ج ۵ ـ عمدۃ القاری)

محمد بن سیرین کے بعد امام بخاری نے ایک اور تابعی عبدالرحمن بن الاسود کا ایک قول نقل کیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ مزارعت ان کے نزدیک جائز معاملہ تھا، امام بخاریؒ نے تو صرف اتنا فرمایا:

قال عبدالرحمن بن الاسود کنت اشارك عبدالرحمن بن یزید فی الزرع۔	عبدالرحمن بن الاسود نے کہا کہ میں عبدالرحمن بن یزید سے کھیتی میں شرکت کا معاملہ کرتا تھا۔

جس میں نہ سند مذکور ہے اور نہ پورا متن، لیکن علامہ ابن حجر نے اس پر لکھا ہے کہ یہ اثر ابن ابی شیبۃ کا ہے اس کے متن کے کچھ زائد الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ لیکن سند ذکر نہیں کی، مناسب ہوگا کہ اصل کتاب سے اسے نقل کیا جائے۔

حدثنا ابوبکر قال حدثنا الفضل بن دکین عن ابن عامر عن عبدالرحمن بن الاسود قال کنت ازارع بالثلث والربع واحمله الی علقمة والاسود فلو رأیا به بأسا لنھیانی عنه۔	ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہم سے بیان کیا فضل بن دکین نے، اس نے ابن عامر سے روایت کیا کہ عبدالرحمن بن الاسود نے ان سے کہا کہ میں تہائی اور چوتھائی پر مزارعت کا معاملہ کرتا تھا اور غلہ اٹھا کر لے جاتا تھا علقمہ اور

(ص ۲۴۰۔ ج ۶۔ ابن ابی شیبۃ) — اسود کی طرف پس اگر وہ اس میں کچھ حرج دیکھتے تو مجھے روکتے اور منع کرتے۔

سنن النسائی میں اس اثر کے الفاظ کچھ زیادہ مفصّل ہیں۔ وہ اس طرح کہ:

عن ابی اسحاق عن عبد الرحمٰن بن الاسود قال کان عمای یزرعان بالثلث والربع وابی شریکھما وعلقمہ واسود یعلمان و لا یغیران۔	ابو اسحاق سے روایت ہے کہ ان سے عبد الرحمٰن بن اسود نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میرے دو چچے تہائی اور چوتھائی پر زراعت کرتے تھے اور میرا باپ ان کا شریک تھا۔ اور علقمہ اور اسود اسے جانتے تھے اور کوئی تغیر و تبدّل نہیں کرتے یعنی اس سے نہیں روکتے تھے۔
(ص ۱۴۹۔ ج ۲۔ سنن النسائی)	

ان مذکورہ تین روایتوں سے یہ تو ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن اسود اپنے چچاؤں کے ساتھ شرکت میں مزارعت کا کاروبار کرتے تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے درمیان شرکت کس طرح کی تھی اور یہ کہ یہ حضرات مالک زمین کی حیثیت سے یہ کاروبار کرتے تھے یا مزارع کی حیثیت سے، اسی طرح چونکہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود (دونوں تابعی ہیں) کا اس معاملے سے نہ روکنا، اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ معاملہ محض مزارعت کا معاملہ نہ ہو شرکت فی الزراعت کا معاملہ ہو اور خاص طرح کے حالات کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ کہ ان کا سکوت اس معاملے کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا، صرف نبی و رسول کے سکوت کو تقریر اور شرعی دلیل کی حیثیت حاصل ہے، اور پھر جبکہ معاملہ مزارعت کی حرمت و ممانعت کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نہایت واضح اور قطعی احادیث بھی موجود ہوں، مطلب یہ کہ جس معاملہ کا عدم جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہو رہا ہو اس کا جواز کسی تابعی یا تبع تابعی کے قول، عمل اور سکوت سے اخذ کرنا ایک نہایت کمزور بات ہے

بعض تابعینؒ کے مذکورہ آثار کے بعد اسی ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ نے جواز مزارعت سے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک معاملے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

وعامل عمر الناس علی ان جاء عمر بالبذر من عندہ فلہ الشطر وان جاؤا بالبذر فلھم کذا۔	اور حضرت عمر فاروقؓ نے کاشت کار لوگوں سے اس طرح کا معاملہ طے کیا کہ اگر بیج عمر کی طرف سے ہو تو اس کے لئے پیداوار نصف ہوگی اور اگر بیج وہ اپنے پاس سے ڈالیں

(ص ۳۱۳ - ج ۱ - صحیح البخاری) تو ان کے لئے اتنا حصّہ ہوگا۔

لیکن فتح الباری میں بحوالہ ابن ابی شیبۃ اس اثر کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن خالد الاحمر عن یحیٰی بن سعید ان عمر اجلی اهل نجران والیهود والنصارٰی واشتری بیاض ارضهم وکرومهم فعامل عمر الناس ان هم جاؤا بالبقر والحدید من عندهم فلهم الثلثان ولعمر الثلث وان جاء عمر بالبذر من عنده فله الشطر، وعاملهم فی النخل علی ان لهم الخمس وله الباقی، وعاملهم فی الکرم علی ان لهم الثلث وله الثلثان	خالد الاحمر نے یحیٰی بن سعید سے روائت کیا کہ حضرت عمرؓ نے اہل نجران اور یہود و نصارٰی کو نجران سے نکل جانے کا حکم دیا اور ان کے کھیت اور باغات خرید ے۔ تو پھر لوگوں سے اس طرح معاملہ فرمایا کہ اگر بیل اور ہل وغیرہ ان لوگوں کی طرف سے ہوں تو ان کے لئے دو تہائی اور عمرؓ کے لئے ایک تہائی اور اگر بیج عمرؓ کی طرف سے ہو تو اس کے لئے نصف کھجور باغوں کے متعلق لوگوں سے معاملہ اس طرح فرمایا کہ پانچواں حصّہ ان کے لئے اور چار حصّے عمرؓ کے لئے، انگور کے باغوں کے متعلق اس طرح کہ لوگوں کے لئے ایک تہائی اور عمرؓ کے لئے دو تہائی۔

وهذا مرسل ص ۹ - ج ۵ - فتح

فتح الباری میں یہیں پر سنن الکبرٰی للبیہقی کے حوالے سے جو روائت نقل کی گئی ہے اس میں کچھ مزید تفصیل ہے:

عن اسمٰعیل بن ابی حکیم عن عمر بن عبد العزیز قال لما استخلف عمر اجلی اهل نجران واهل فدك وتیماء واهل خیبر واشتری عقارهم و اموالهم واستعمل یعلی بن منیه فاعطی البیاض یعنی بیاض الارض علی ان کان البذر	اسمٰعیل بن ابی الحکیم سے مروی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے روائت کرتے ہوئے فرمایا جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اہلِ نجران، اہلِ فدک وتیماء اور اہل خیبر کو جلا وطن کیا اور ان کی زمینیں اور جائیدادیں خریدلیں اور یعلی بن منیہ کو عامل مقرر کیا اور زمین کاشت کاروں کو دی اس معاہدے پر کہ اگر بیج، بیل اور ہل وغیرہ عمرؓ کی طرف

والبقر والحدید من عمر فلہم الثلث و لعمر الثلثان ، وان کان منہم فلہم الشطر ولہ الشطر واعطی النخل و عنب علی ان لعمر الثلثین و لہم الثلث ۔ ھذا مرسل ایضاً ۔	سے ہوں تو ان کے لئے ایک تہائی اور عمرؓ کے لئے دو تہائی ، اور اگر یہ سب چیزیں ان کی طرف سے ہوں تو دونوں کے لئے نصف نصف ، اور کھجوروں اور انگوروں کے باغ دیئے اس معاہدے پر کہ عمرؓ کے لئے دو تہائی اور ان لوگوں کے لئے ایک تہائی
(ص ۱۳۵ ۔ ج ۲)	پیداوار ہوگی ۔

شرح معانی الآثار طحاوی میں بھی یہ روایت ہے ۔ اس کے شروع کے الفاظ کا ترجمہ ہے : کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے یعلیٰ بن منیۃ کو یمن پر عامل بنا کر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ بیت المال کی زمینوں کو اس اس طریقہ سے کاشت کراؤ ۔

امام بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یعلیٰ بن منیہ کو حضرت عمر فاروق نے فدک ، تیماء ، نجران اور خیبر پر عامل مقرر فرمایا اور امام طحاوی کی روایت سے یہ کہ ان کو یمن کے ایک حصّہ پر عامل مقرر فرمایا ، طحاوی کی روایت کی تائید ابن المدینی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے حافظ ابنِ حجر نے تہذیب التہذیب کے اندر یعلیٰ بن منیہ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے اور جس کا ترجمہ یہ کہ یعلیٰ بن منیہ کو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنے عہد خلافت میں حلوان پر اور حضرت عمر فاروقؓ نے یمن کے ایک علاقے پر عامل مقرر فرمایا ، پھر جب حضرت عمرؓ فاروق کو یہ اطلاع پہنچی کہ یعلیٰ نے اپنے لئے چراگاہ کے طور پر ایک زمین مخصوص کر رکھی ہے تو آپ ناراض ہوئے اور ان کے لئے یہ سزا تجویز کی کہ یمن سے پیدل چل کر مدینہ پہنچیں کسی سواری پر سوار نہ ہوں ، چنانچہ حکم ملنے پر وہ پیدل چل پڑے پانچ چھ دن گزرے تھے کہ انہیں راستے میں حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کی خبر پہنچی ۔ اب وہ سوار ہوکر مدینہ پہنچے ، گویا بیت المال کی زمین اپنے ذاتی تصرّف میں لانے کی بنا پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی سرزنش کی کیونکہ آپ اس طرح کی چیزوں کو اپنے عاملوں کے لئے پسند نہ فرماتے تھے

بہرحال ان روایتوں سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مفتوحہ ممالک کی ایسی اراضی کو جو بیت المال اور تمام مسلمانوں کی مشترک ملکیت قرار پائی تھیں ، مقامی کاشت کاروں سے جو عموماً غیر مسلم ذمیوں کی حیثیت رکھتے تھے پیداوار کے ایک حصّے پر کاشت اور آباد کرایا ، آپ نے یہ معاملہ بحیثیت سربراہ حکومت اور متولی بیت المال کے عام مسلمانوں اور جملہ رعایا کے فائدے کے لئے ذمّی یا غیر ذمّی رعایا سے کیا جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہودِ خیبر سے فرمایا تھا، لہٰذا یہ معاملہ ایک مسلمان مالکِ زمین کا اپنے شخصی فائدہ کی خاطر دوسرے مسلمان مزارع سے نہ تھا، گویا اپنی ماہیت اور غرض و غائت کے لحاظ سے یہ معاملہ ایسی مزارعت کا معاملہ نہ تھا جو آزاد مساوی الدرجہ مسلمانوں کے درمیان شخصی فائدہ کی خاطر طے پاتا ہے اور جس کے شرعی جواز و عدم جواز سے بحث کرنا ہمارا اصل مقصد ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی نوعیت کا معاملہ تھا جو عمومی و اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر عمل میں آیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اثر کے بعد امام بخاری نے حسن بصری اور ابن شہاب الزھری کا قول ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

وقال الحسن لا بأس ان يكون الارض لاحدهما فينفقان جميعا فما اخرج فهو بينهما ورأى ذلك الزهري۔	حسن بصری نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں کہ زمین دو آدمیوں میں سے ایک کی ہو اور دونوں مل کر اس میں خرچ کریں اور جو پیدا ہو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائے، یہی رائے زھری کی بھی ہے۔
(ص ۳۱۳ ۔ج ۱ ۔ صحیح البخاری)	

اس اثر کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مزارعت سے متعلق نہیں بلکہ شرکت فی الزراعت سے متعلق ہے" فينفقان جميعا " اس پر دلالت کرتے ہیں، جہاں تک پیداوار کے ایک حصّہ کے بدلے مزارعت کا تعلق ہے، علامہ طحاوی نے دو اثر ایسے نقل کئے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حسنؒ بصری اس کو ناجائز سمجھتے اور کہتے تھے۔ وہ یہ ہیں:

عن حماد بن سلمة عن قتادة قال كان الحسن يكره كراء الارض بالثلث والربع	حماد بن سلمہ سے روائت ہے کہ ان سے قتادہ نے روائت کرتے ہوئے کہا کہ حسن بصریؒ تہائی اور چوتھائی کے بدلے

کراء الارض کو مکروہ و حرام سمجھتے اور کہتے تھے۔

عن يونس بن عبيد عن الحسن انه كان يكره ان يكري الرجل الارض من اخيه بالثلث والربع۔	یونس بن عبید نے حسن بصری سے روائت کیا کہ وہ اس چیز کو ناجائز سمجھتے تھے کہ ایک آدمی اپنے بھائی سے زمین تہائی اور چوتھائی کے بدلے مزارعت پر لے۔

(ص ۲۶۲ ۔ج ۲ ۔ شرح معانی الآثار)

مصنّف عبد الرزّاق میں بھی بعض ایسے آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ

حسن بصری نہ پیداوار کے ایک حصّہ کے بدلے کراء الارض کو جائز سمجھتے تھے اور نہ سونے چاندی کے عوض جائز سمجھتے تھے ۔ (ص ۹۴ - ص ۱۰۰ - ج ۸)

جہاں تک ابن شہاب الزھری کا تعلق ہے مصنّف عبدالرزاق کی بعض روائتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس میں کچھ حرج نہ سمجھتے تھے کہ ایک شخص اپنی زمین دوسرے کو تہائی اور چوتھائی پر دے ، بعض روائتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شرکت فی الزراعت میں کچھ مضائقہ نہ دیکھتے تھے اور ایک تیسری روائت میں ہے کہ وہ سونے چاندی کے بدلے کراء الارض میں کچھ حرج نہ سمجھتے تھے لیکن طعام و غلّے کے بدلے اس کو ناجائز کہتے تھے اور فرماتے کہ یہی محاقلہ ہے ۔ (ص ۹۱ - ج ۸ - مصنف عبدالرزاق - نیز ص ۱۰۰ - ج ۸)

اس کے بعد اسی ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے بعض تابعین کے جو اقوال نقل فرمائے ہیں وہ مزارعت سے متعلق نہیں بلکہ مزارعت کے مشابہ بعض دوسرے معاشی معاملات کے متعلق ہیں ۔ فرمایا :

وقال الحسن لابأس اَنْ یجتنی	اور حسن نے کہا کچھ حرج نہیں روئی چنوانے
القطن علی النصف وقال ابراھیم	میں نصف پہ اور کہا ابراہیم ، محمد بن سیرین ،
وابن سیرین وعطاء والحکم و	عطاء ، حکم ، زہری اور قتادہ نے کہ کوئی
الزھری وقتادۃ لا بأس ان	حرج نہیں کہ کپڑا بنوایا جائے تہائی یا چوتھائی
یعطی الثوب بالثلث او الربع و	وغیرہ پہ ، اور کہا معمر نے کچھ حرج نہیں کہ
نحوہ ، وقال معمر لا بأس ان	ایک معیّن مدّت تک جانور کرائے پہ
تکری الماشیۃ علی الثلث و	دیا جائے تہائی اور چوتھائی پہ ۔
الربع الیٰ اجل مسمّی ۔	

(ص ۳۱۲ - ج ۱ - صحیح البخاری)

تفصیل اس اجمال کی یہ کہ حضرت حسن بصری کے قول میں جس معاملے کا ذکر ہے اس کی صورت یہ کہ ایک شخص کے پاس کپاس کا تیار کھیت ہے وہ دوسرے سے کہتا ہے تم اس میں سے روئی چنو ، جتنی چنوگے اس میں سے آدھی میری اور آدھی بطور کام کی اجرت کے آپ کی ہوگی ۔ اس معاملے کے متعلق انہوں نے فرمایا جائز ہے کچھ حرج نہیں ۔
غور سے دیکھا جائے تو یہ معاملہ ، مزارعت کے معاملے سے بنیادی طور پر مختلف ہے کیونکہ اس میں جو روئی حاصل ہوتی ہے وہ صرف اس دوسرے شخص کی محنت و

مشقّت کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے وجود میں اس شخص کی محنت و مشقّت کا بڑا دخل ہوتا ہے جو کھیت کا مالک تھا جس نے کاشت کی اور تیار ہونے تک جملہ کام کرتا رہا۔ جبکہ مزارعت میں جو پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ تمامتر کاشت کار کی محنت و مشقّت کا نتیجہ ہوتی ہے اس میں مالک زمین کی طرف سے کوئی محنت و مشقّت موجود نہیں ہوتی لہٰذا مزارعت میں مالک زمین پیداوار کا جو حصّہ لیتا ہے وہ اس کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتا جبکہ معاملۂ مذکورہ میں کپاس کے کھیت والا دوسرے کی چُنی ہوئی روئی سے جو نصف لیتا ہے وہ اس کی محنت کا نتیجہ اور لازمی حق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس معاملے کے جواز پر مزارعت کے جواز کو کسی طرح قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن بصری اس معاملے کو جائز ماننے کے باوجود مزارعت کو ناجائز مانتے ہیں جیسا کہ متعدد روایات سے ظاہر ہے۔

اس کے بعد چھ تابعین، ابراہیمؒ، ابن سیرینؒ، عطاؒ، حکمؒ، زہریؒ اور قتادہؒ کے قول میں جس معاملے کا ذکر ہے اس کی شکل یہ کہ ایک شخص کے پاس اپنا کاتا ہوا یا خریدا ہوا سوت ہے وہ دوسرے شخص کپڑا بُننے والے سے کہتا ہے آپ اس سوت سے کپڑا بنئے!! جتنا کپڑا تیار ہوگا اس میں سے بطور آپ کے کام کی اجرت کے تہائی یا چوتھائی کپڑا آپ کا ہوگا، اس معاملے کے متعلق مذکورہ حضرات نے فرمایا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام بخاری نے اس بات کو یہاں مزارعت کے ترجمۃ الباب میں غالباً اس لئے ذکر کیا ہے کہ جب یہ معاملہ جائز ہے جو بظاہر مزارعت کی طرح کا ہے تو مزارعت بھی جائز ہونی چاہیئے۔ حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو اس معاملے اور مزارعت میں بنیادی فرق ہے۔ وہ اسطرح کہ اس معاملے میں جولاہا جو کپڑا تیار کرتا ہے اس کا وجود صرف اس کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی محنت سے زیادہ اس دوسرے کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے جس نے روئی خرید کر اس سے سوت اور دھاگہ بنایا یا اپنی کسی دوسری محنت سے کمائے ہوئے مال کے بدلے میں خریدا، لہٰذا اس معاملے میں ہر فریق کو حسب معاہدہ جو کپڑا ملتا ہے وہ اس کی محنت کا نتیجہ اور اس کا جائز حق ہوتا ہے بخلاف مزارعت کے کہ اس میں مالک زمین پیداوار کا جو حصّہ لیتا ہے وہ اس کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں پوری پیداوار مزارع کی محنت و مشقّت سے وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا اس معاملے کے جواز پر مزارعت کے جواز کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جو اصولاً درست نہیں۔

علاوہ ازیں مذکورہ معاملے کے جواز و عدم جواز کے متعلق بھی تابعین میں اختلاف رہا

ہے۔ امام بخاری نے ابراہیم کا نام ان حضرات میں لکھا ہے جو اس کے جواز کے قائل تھے۔ حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روائت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے عدم جواز کے قائل تھے۔ وہ روائت یہ ہے:

حدثنا ابوبکر قال حدثنا ابن علیۃ عن لیث عن الشعبی والحکم عن ابراھیم انہ کرہ ان یدفع الرجل الثوب الی النسّاج بالثلث۔ (ص۴۲۶۔ ج ۶۔ ابن ابی شیبۃ)	ابوبکر بن ابی شیبۃ نے کہا کہ ہم سے ابن علیۃ نے کہا، اس نے لیث سے، اس نے شعبیؒ اور حکمؒ سے روائت کیا یہ کہ انہوں نے ابراہیم کے متعلق کہا کہ وہ اس معاملے کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنا سوت جولاہے کو کپڑا بننے کے لئے تہائی پر دے۔

اسی طرح ایک دوسرے چوٹی کے تابعی حضرت حسن بصری بھی اس معاملے کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ جس روائت میں اس کا ذکر ہے وہ یہ ہے:

حدثنا ابوبکر قال حدثنا زید بن الحباب عن مبارکؒ عن الحسن انہ کرہ ان یدفع الثوب الی الحائکؒ بالثلث والربع (ص ۴۲۸۔ ج ۶۔ ابن ابی شیبہ)	ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہم سے بیان کیا زید بن حباب نے، اس نے روائت کیا مبارک سے اور اس نے حسن بصری سے یہ کہ وہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کپڑا بننے کے لئے سوت جولاہے کو تہائی یا چوتھائی کے عوض دیا جائے۔ (جاری ہے)

خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے ادارہ کو غیر ضروری زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ ہماری گذارش کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔ (ادارہ)